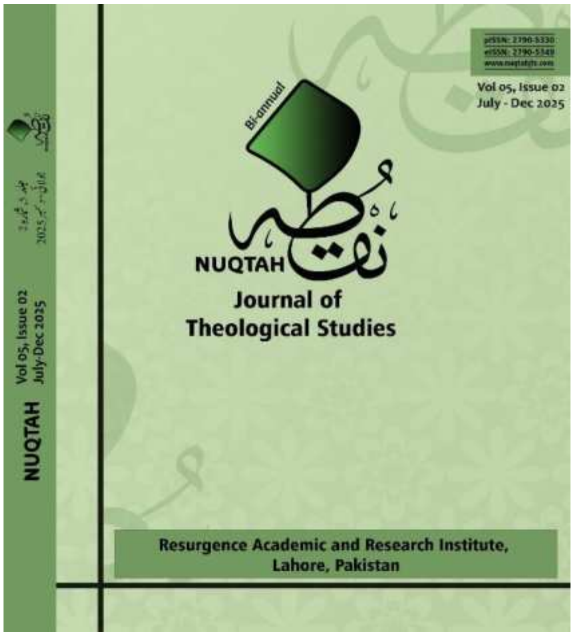

Nuqtah Journal of Theological Studies

Editor: Dr Shumaila Majeed

(Bi-Annual)

Languages: English, Urdu, Arabic

pISSN: 2790-5330 eISSN: 2790-5349

https://nuqtahjts.com/index.php/njts

Published by

Resurgence Academic and Research

Institute Lahore (53720), Pakistan

Email: editor@nuqtahjts.com

فقہِ اسلامی میں دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف کے اصولوں کے ارتقاء کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of the Evolution of the Principles of Removal of Hardship and Minimization of Legal Burden in Islamic Jurisprudence

Hafiz Muhammad Sana Ullah Taunsvi
PhD Research Scholar, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan
Email: stounsvi@gmail.com

Dr. Shoaib Arif
Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan
Email: shoaib.arif@uog.edu.pk

Published online: 30 Dec, 2025

View this issue

Complete Guidelines and Publication details can be found at:

https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

OPEN ACCESS

CC BY

Abstract

This study presents a comprehensive analytical review of the evolution of the principles of *dafʻal-ḥaraj* (removal of hardship) and *qillat al-taklīf* (minimization of legal burden) during the Prophetic era and their subsequent development in Islamic legal thought. The research establishes that the advent of Islam was fundamentally aimed at liberating humanity from excessive religious and social constraints imposed by earlier traditions. The Qur'ānic vision and the Prophetic mission emphasized ease (*taysīr*), mercy, and human capacity as central elements of the Sharīʻah.

The study explores how, during the Makkan period, legal obligations were minimized to focus on faith-building and spiritual purification, thereby preventing psychological and practical burden on new converts. It further highlights the role of gradual legislation (*tadarruj*) as a key mechanism in reducing hardship, particularly illustrated through the prohibition of alcohol.

In the Madinan period, the emergence of a structured Muslim society led to the institutionalization of legal concessions (*rukhaṣ*), such as shortened prayers during travel and exemptions in cases of illness, demonstrating a dynamic application of the principle of hardship removal. The study also examines how previous rigid legal constraints imposed on earlier communities were lifted, reflecting the universal and facilitative nature of Islamic law.

Furthermore, the research traces the intellectual expansion of these principles in the eras of the Companions and the Successors, where they were applied through ijtihād to address new socio-political and economic challenges. The codification phase of Islamic jurisprudence transformed these flexible practices into formal legal maxims and principles, such as *al-mashaqqah tajlib al-taysīr* (hardship begets ease).

The study concludes that the principles of *dafʻal-ḥaraj* and *qillat al-taklīf* constitute the dynamic spirit of Islamic law, ensuring its adaptability, human-centeredness, and relevance across changing contexts. These principles not only safeguard human welfare but also maintain a balance between divine command and human capability.

Keywords: Dafʻal-Ḥaraj, Qillat al-Taklīf, Taysīr (Ease), Tadarruj (Gradualism), Rukhaṣ (Legal Concessions), Islamic Jurisprudence.

تمہید: بعثتِ نبوی ﷺ اور رفعِ بوجھ کا آفاقی مشن

اسلامی شریعت کی آمد سے قبل انسانیت مختلف مذہبی اور معاشرتی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ سابقہ امتوں پر ان کی نافرمانیوں یا مخصوص حالات کی بنا پر کئی ایسے احکام نافذ تھے جو مشقتِ شدید کا باعث تھے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد ہی ان بوجھلوں اور طوقوں کو اتارنا تھا جو انسانی فطرت کے لیے ثقیل بن چکے تھے۔ دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف کا اصول عہدِ رسالت میں محض ایک فقہی قاعدہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس دینِ حنیف کا طرہ امتیاز تھا جو تیسر (آسانی) اور رحمت پر مبنی ہے۔

قرآنِ کریم نے نبی کریم ﷺ کی اس صفتِ رحمانیت اور مشن کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ [1]

"اور وہ (نبی ﷺ) ان سے ان کے بوجھ اور وہ طوق (بندشیں) اتار دیتے ہیں جو ان پر (سابقہ شریعتوں میں) تھے۔"

اس آیت کی فکری اساس یہ ہے کہ اسلام نے مشقتِ شاقہ کو ختم کر کے ایک ایسا متوازن نظامِ حیات پیش کیا جس میں بندے کی استطاعت کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے۔ عہدِ رسالت میں قلتِ تکلیف کا ارتقاء اسی نقطے سے شروع ہوتا ہے کہ انسانیت کو غیر ضروری بوجھ سے نجات دلائی جائے۔

مکی دور میں قلتِ تکلیف اور دفعِ حرج کا منہج

اگر ہم عہدِ نبوی ﷺ کے تیئیس سالہ دورِ قانون سازی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تیرہ سالہ مکی دور میں قلتِ تکلیف کا اصول اپنے عروج پر تھا۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تربیت کا بنیادی مرکز عقائد کی پختگی اور تزکیہ نفس تھا، جبکہ عملی احکام (جیسے نماز کی تفصیلی ہیئت، زکوۃ کے نصاب، روزے اور حج) کو مؤخر رکھا گیا۔ یہ مؤخر کرنا دراصل "دفعِ حرج" کی ایک عظیم صورت تھی تاکہ ایک نو مسلم معاشرہ یکدم بوجھ تلے دب کر دین سے متنفر نہ ہو جائے۔

امام شاطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ اس حکیمانہ تدریج پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مکہ میں ہی تمام فرائض اور حدود نافذ فرما دیتا تو لوگوں کے لیے انہیں قبول کرنا محال ہو جاتا، اور یہ اللہ کی صفتِ رحمانیت کے خلاف ہوتا۔

المشقة ليست بمطلوب طلب أول وبالذات في أحكام الشرع[2]

"اور مشقت شرعی احکام میں بذاتِ خود مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔"

مکہ کے دور میں قلتِ تکلیف کا انداز یہ تھا کہ صرف ان چیزوں کا مکلف بنایا گیا جو انسانی روح کی تعمیر کے لیے ناگزیر تھیں، تاکہ بندے کا تعلق اللہ سے مضبوط ہو جائے اور وہ آئندہ آنے والے کٹھن احکام کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو سکے۔

تدریجِ احکام: قلتِ تکلیف کا عملی ارتقاء

عہدِ رسالت میں دفعِ حرج کا سب سے موثر آلہ "تدریج" (Gradualism) تھا۔ شریعت نے کسی بھی ایسی سماجی برائی کو جو معاشرے کی رگوں میں رچ بس چکی تھی، یکدم ختم کرنے کے بجائے مرحلہ وار طریقہ اپنایا۔ قلتِ تکلیف کا یہ پہلو شراب کی حرمت کے واقعے میں سب سے زیادہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ شراب مکہ کے تمدن کا ایک لازمی جزو تھی۔ شریعت نے پہلے اس کے نقصانات کی طرف اشارہ کیا، پھر نماز کے وقت اسے ممنوع کیا، اور آخر میں اسے قطعی طور پر حرام قرار دیا۔ یہ چار مراحل میں تقسیم شدہ قانون سازی دراصل اس "حرج" کو دور کرنے کے لیے تھی، جو ایک قدیم عادت کو ایک دم چھوڑنے سے پیدا ہو سکتی تھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول نقل کیا ہے جو تدریج اور قلتِ تکلیف کے فلسفے کو مکمل طور پر واضح کرتا ہے:

إنما نزل أول ما نزل منه سورة من المفصل، فيها ذكر الجنة والنار، حتى إذا ثاب الناس إلى الإسلام نزل الحلال والحرام[3]

"بے شک قرآن میں سب سے پہلے مفصل سورتیں نازل ہوئیں، جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر تھا، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے (دل نرم ہو گئے) تب حلال اور حرام کے احکام نازل ہوئے۔"

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ قلتِ تکلیف شریعت کا کوئی اتفاقی وصف نہیں تھا، بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی الٰہی حکمتِ عملی تھی، جس کا مقصد انسانی نفوس کی تدریجی اصلاح تھا۔

سنتِ نبوی ﷺ میں 'تیسیر' (آسانی) کا اصولی قیام

رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے کلمات، عہدِ رسالت میں دفعِ حرج کے ضابطے بن کر ابھرے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول اور فعل سے یہ ثابت کیا کہ دین میں سختی پیدا کرنا مطلوب نہیں ہے۔ جب بھی کسی مسئلے میں آپ ﷺ کے سامنے دو راستے ہوتے، آپ ﷺ ہمیشہ سہولت والے راستے کو منتخب فرماتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

ما خيّر رسول الله صلى الله عليه وسلم بين أمرين إلا أخذ أيسرهما، ما لم يكن إثما[4]

"رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے آسان ترین کو اختیار فرمایا، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔"

یہ سنتِ نبوی ﷺ عہدِ رسالت میں قلتِ تکلیف کے ارتقاء کا وہ نقطہ ہے جہاں سے فقہاء نے یہ قاعدہ اخذ کیا کہ شریعت میں اصل "تیسیر" (آسانی) ہے اور تنگی ایک عارضی چیز ہے جسے دور کرنا واجب ہے۔

قلتِ تکلیف اور سابقہ شریعتوں کے 'آصار' (بوجھوں) کا خاتمہ

عہدِ رسالت میں ارتقاء کا ایک اہم پہلو ان سخت پابندیوں کا خاتمہ تھا جو بنی اسرائیل اور دیگر اقوام پر لازم تھیں۔ مثلاً سابقہ شریعتوں میں توبہ کے لیے خودکشی کی شرط، یا کپڑے کے جس حصے پر نجاست لگ جائے اسے کاٹ دینا، یا مالِ غنیمت کا حلال نہ ہونا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مشقتوں کو ختم کر کے مٹی (تیمم) کو پاک کرنے والا اور مالِ غنیمت کو طیب قرار دیا۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان اس تاریخی تبدیلی کی گواہی دیتا ہے:

أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي... وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا[5]

"مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔۔۔ (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) میرے لیے پوری زمین کو سجدہ گاہ اور پاکیزگی کا ذریعہ (تیمم کے لیے) بنا دیا گیا۔"

یہ ارتقائی مرحلہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں قلتِ تکلیف کا تصور عالمی وسعت اختیار کر چکا تھا، جہاں عبادات کے لیے بھی مخصوص مقامات یا شرائط کی قید ختم کر کے بندے کے لیے ہر حال میں بندگی کا راستہ آسان کر دیا گیا۔

ہجرت اور نئے حالات میں دفعِ حرج کی صورتیں

مدینہ منورہ کی زندگی میں جب مسلمانوں کو ایک نئی ریاست اور معاشرت کا سامنا کرنا پڑا، تو دفعِ حرج کی نئی جہات سامنے آئیں۔ سفر کی مشقت، غزوات کے دوران جسمانی کمزوری، اور معاشی تنگیوں نے کئی نئے فقہی احکام کو جنم دیا۔ قلتِ تکلیف کا اصول یہاں "رخصت" کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مثلاً قصر (سفر میں چار رکعت نماز کو، دو کرنا)، اور نمازِ خوف (بحالتِ خوف نماز کی ہیئت میں تبدیلی)۔

علامہ شاطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا ہے کہ یہ رخصتیں دراصل اس بات کا اعتراف تھیں کہ انسانی ہمت محدود ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بندگی کو انسان کے لیے ناقابلِ برداشت نہیں بنانا چاہتا۔[6]

عبادات کے باب میں دفعِ حرج کے عملی مظاہر

عہدِ رسالت میں دفعِ حرج کا تصور محض نظریاتی نہیں تھا بلکہ اس کا عملی ظہور مسلمانوں کی روزمرہ عبادات میں کثرت سے نظر آتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارکانِ اسلام کی ادائیگی میں انسانی کمزوریوں اور عارضی تنگیوں کا اس قدر لحاظ رکھا کہ بسا اوقات اصلی حکم کی ہیئت ہی تبدیل کر دی گئی۔ قلتِ تکلیف کا یہ پہلو ثابت کرتا ہے کہ شریعت کا مقصد بندے کو اللہ کے سامنے جھکانا ہے، نہ کہ اسے جسمانی اذیت میں مبتلا کرنا۔ مثلاً، طہارت کے باب میں پانی کی عدم دستیابی یا بیماری کے خوف کی صورت میں مٹی سے مسح (تیمم) کی اجازت دینا، دفعِ حرج کا ایک عظیم شاہکار ہے۔

امام شاطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شریعت میں رخصت کا باب اس لیے کھولا گیا تاکہ مکلف (بندہ) عبادت سے اکتا نہ جائے اور اس کی استقامت برقرار رہے۔ وہ "الموافقات" میں فرماتے ہیں:

إن المشقة إذا دخلت في الأعمال، فإن الشارع قاصد لرفعها بالتخفيفات[7]

"بے شک جب اعمال میں (غیر معمولی) مشقت داخل ہو جاتی ہے، تو شارع (اللہ تعالیٰ) کا مقصود تخفیف کے ذریعے اسے دور کرنا ہوتا ہے۔"

نماز، جو کہ دین کا ستون ہے، اس میں قلتِ تکلیف کا ارتقاء اس حد تک ہوا کہ قیام (کھڑا ہونا) جیسا بنیادی رکن بھی بیماری یا معذوری کی صورت میں ساقط ہو جاتا ہے اور بندے کو بیٹھ کر یا اشارے سے نماز پڑھنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ اسی طرح روزے کے باب میں مسافر اور مریض کو یہ رعایت دی گئی کہ وہ تنگی کے ایام میں روزہ چھوڑ دیں اور بعد میں اس کی قضا کر لیں۔ یہ تمام احکامات عہدِ رسالت میں اس لیے مدون ہوئے تاکہ دین "دینِ رحمت" کے طور پر پہچانا جائے۔

قلتِ تکلیف اور "ما سكت عنه فهو عفو" کا دستوری اصول

عہدِ رسالت میں قانون سازی کا ایک نہایت اہم اصول یہ تھا کہ جن چیزوں کے بارے میں وحی خاموش ہے، انہیں بندوں کے لیے اللہ کی طرف سے "عفو" اور سہولت سمجھا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو کثرتِ سوال سے منع فرمایا تاکہ سوالات کی وجہ سے نئے احکام نازل نہ ہوں اور امت پر بوجھ نہ بڑھے۔ قلتِ تکلیف کا یہ وہ پہلو ہے جس نے انسانی زندگی کے ایک بڑے حصے کو "مباحات" کے دائرے میں رکھا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

ذروني ما تركتكم، فإنما هلك من كان قبلكم بكثرة سؤالهم واختلافهم على أنبيائهم[8]

"تم مجھے چھوڑے رکھو (سوال نہ کرو) جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں (کوئی نیا حکم نہ دوں)، بے شک تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء سے کثرتِ سوال اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔"

اس حدیث سے یہ عظیم فقہی قاعدہ نکلا کہ **"اشیاء میں اصل اباحت ہے"**۔ یعنی جب تک کسی چیز کی حرمت پر قطعی دلیل نہ آ جائے، اسے قلتِ تکلیف کے تحت جائز سمجھا جائے گا۔ عہدِ رسالت میں اس اصول نے مسلمانوں کو ایک ایسی فکری آزادی عطا کی، جہاں وہ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے دنیاوی معاملات کو آسانی سے منظم کر سکتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا امت کے لیے شفقت آمیز طرزِ عمل

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جہاں آپ ﷺ نے امت پر بوجھ بڑھنے کے خوف سے کسی مستحب کام کو، واجب نہیں ہونے دیا۔ یہ قلتِ تکلیف کا شعوری ارتقاء تھا۔ مثال کے طور پر، آپ ﷺ نے مسواک کی اہمیت کے باوجود اسے فرض نہیں کیا، اور عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا پسند فرمانے کے باوجود اسے جلدی پڑھنے کی اجازت دی تاکہ کمزوروں اور بیماروں کو حرج نہ ہو۔

آپ ﷺ نے اس حکمت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا:

لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك مع كل صلاة[9]

"اگر مجھے اپنی امت پر مشقت (بوجھ) کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم (فرض کے طور پر) دیتا۔"

یہاں لفظ "أشق" (مشقت میں ڈالنا) براہِ راست دفعِ حرج کی طرف اشارہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ طرزِ عمل فقہاء کے لیے ایک ابدی ضابطہ بن گیا کہ مصلحتِ امت کو ہمیشہ سختی پر فوقیت دی جائے گی۔

خطاء، نسیان اور اکراہ کے حوالے سے دستوری رخصت

عہدِ رسالت میں قلتِ تکلیف کے ارتقاء کا ایک اور سنگِ میل انسانی بشری لغزشوں (غلطی، بھول چوک اور زبردستی) کو قانونی گرفت سے آزاد کرنا تھا۔ شریعتِ اسلامیہ سے پہلے کئی قوانین میں بھول چوک پر بھی سزا دی جاتی تھی، لیکن اسلام نے اعلان کیا کہ اگر بندے سے نادانستہ غلطی ہو جائے یا اسے کسی گناہ پر مجبور کر دیا جائے، تو اس کی گرفت نہیں ہو گی۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه[10]

"بے شک اللہ نے میری امت سے خطا، بھول چوک اور اس کام (کا گناہ) اٹھالیا ہے جس پر وہ مجبور کیے جائیں۔"

یہ اصول دفعِ حرج کی انتہا ہے، کیونکہ یہ انسانی نیت کو قانونی گرفت کی بنیاد بناتا ہے۔ اگر انسان کا ارادہ گناہ کا نہ ہو، تو محض ظاہری فعل کی بنا پر اسے مشقت میں نہیں ڈالا جائے گا۔ اس رخصت نے مسلمانوں کے قلوب سے وہ دائمی خوف نکال دیا جو سابقہ مذہبی قوانین کا خاصہ تھا۔

انفرادی احوال کا لحاظ اور خصوصی رخصتیں

عہدِ رسالت میں قلتِ تکلیف کا ایک اور خوبصورت رخ "انفرادی رخصت" ہے۔ آپ ﷺ نے بعض اوقات عام قانون کے باوجود کسی فرد کی خاص ضرورت یا بیماری کو دیکھ کر اسے خصوصی رعایت عطا فرمائی۔ مثال کے طور پر، مردوں کے لیے ریشم کا استعمال حرام ہے، لیکن جب حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے خارش کی بیماری کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے انہیں ریشمی لباس پہننے کی اجازت دے دی۔[11]

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ دفعِ حرج کا اصول صرف اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی سطح پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ شریعت کسی ایک فرد کی تکلیف کو بھی نظرانداز نہیں کرتی۔ قلتِ تکلیف کا یہی مزاج ہے جس نے اسلام کو ہر طبقہ فکر اور ہر حال کے انسان کے لیے قابلِ عمل بنایا ہے۔

عہدِ رسالت میں قلتِ تکلیف کا فلسفیانہ نچوڑ

راقم کے نزدیک، عہدِ رسالت میں قلتِ تکلیف کا ارتقاء تین بنیادی محوروں پر ہوا:

1. **مقدار میں کمی:** فرائض کو اتنا محدود رکھا گیا کہ وہ بوجھ نہ بنیں۔
2. **ہیئت میں تبدیلی:** مشقت کے وقت حکم کی شکل بدل کر اسے آسان کر دیا گیا۔
3. **گرفت میں نرمی:** نیت اور ارادے کو فوقیت دے کر بشری کمزوریوں کو معاف کر دیا گیا۔

ان تمام پہلوؤں نے مل کر ایک ایسا قانونی ڈھانچہ تیار کیا جس کا مرکز "انسان" اور اس کی "فلاح" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے یہ واضح کر دیا کہ دین اللہ کی پہچان کا راستہ ہے، نہ کہ زندگی کو تنگیوں میں الجھانے کا ذریعہ۔

دورِ صحابہ میں دفعِ حرج کی تفہیم اور فکری ارتقاء

نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے سب سے بڑا چیلنج شریعت کے ان آفاقی اصولوں کو ایک وسیع تر اور بدلتے ہوئے جغرافیائی و تمدنی تناظر میں نافذ کرنا تھا، جن کی تربیت انہوں نے براہِ راست مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کی تھی۔ صحابہ کرام محض لغوی احکام کے پیروکار نہیں تھے، بلکہ وہ "روحِ شریعت" اور "مقاصدِ قانون" سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے نزدیک دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف کا مطلب احکامِ شرعیہ میں ترمیم نہیں تھا، بلکہ نئی پیش آنے والی تنگیوں اور پیچیدگیوں کے وقت ایسی تعبیر تلاش کرنا تھا، جو انسانیت کے لیے باعثِ رحمت ہو۔ دورِ صحابہ میں ان اصولوں کا ارتقاء اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ شریعت ایک جامد قانون نہیں بلکہ ایک زندہ جاوید نظام ہے۔

امام شاطبیؒ رحمتہ اللہ علیہ صحابہ کرام کے اسی اسلوبِ اجتہاد کی وضاحت کرتے ہوئے "الموافقات" میں رقم طراز ہیں کہ صحابہ کرام کا اجماع اس بات پر تھا کہ جہاں مصلحتِ عامہ خطرے میں ہو یا لوگوں کو اجتماعی حرج کا سامنا ہو، وہاں رخصت اور وسعت کا پہلو اختیار کرنا عینِ دین ہے۔

إنما وضعت الشريعة لمصالح العباد، والصحابة كانوا أعرف الناس بمواقع الحرج[12]

"شریعت بندوں کی مصلحتوں کے لیے وضع کی گئی ہے، اور صحابہ کرام تنگی کے مقامات (اور ان کے حل) کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اجتہادات اور دفعِ حرج

خلافتِ راشدہ کے ابتدائی دور میں جب فتنہ ارتداد اور جنگِ یمامہ جیسے سنگین حالات پیدا ہوئے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دفعِ حرج کے اصول کو امت کی بقاء کے لیے استعمال کیا۔ جنگِ یمامہ میں قراءِ کرام کی بڑی تعداد میں شہادت کے بعد یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں قرآنِ مجید کا متن ضائع نہ ہو جائے، جو کہ امت کے لیے ایک حرجِ عظیم ہوتا۔ اس تنگی اور خوف کو دور کرنے کے لیے آپ نے قرآنِ کریم کو ایک مصحف کی شکل میں جمع کرنے کا تاریخی فیصلہ کیا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس ہیئت میں جمع نہیں فرمایا تھا، لیکن "حفاظتِ دین" کے بڑے مقصد اور "دفعِ حرج" کے لیے یہ اجتہاد ناگزیر تھا۔

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ دورِ صحابہ میں قلتِ تکلیف کا اصول اس طرح کارفرما تھا کہ کسی نئے انتظامی حکم کو بوجھ سمجھنے کے بجائے اسے تنگی دور کرنے کا ذریعہ مانا گیا۔[13]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: دفعِ حرج کے معمارِ اعظم

دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف کے اصولوں کا سب سے واضح اور مفصل ارتقاء، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں نظر آتا ہے۔ آپ کے دور میں جب اسلامی سلطنت ایران اور روم تک پھیل گئی، تو نئے تمدنی مسائل سامنے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حالات میں نصوص کی ایسی حکیمانہ تعبیرات کیں، جنہوں نے تنگی کو دور کر کے عدل و سہولت کی راہیں کھول دیں۔

1۔ **قحط کے سال حدود کی معطلی:** "عام الرمادہ" (قحط کا سال) 18 ہجری میں جب لوگ بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر چوری کرنے لگے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چوری کی حد (ہاتھ کاٹنا) معطل کر دی۔ آپ کا استدلال یہ تھا کہ بھوک ایک ایسی تنگی (حرج) ہے جو شبہ پیدا کر دیتی ہے، اور شبہ کی صورت میں سزا کا نفاذ مشقتِ زائدہ ہے۔ یہ قلتِ تکلیف کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے، جہاں انسانی ضرورت کو سزا پر فوقیت دی گئی۔[14]

2۔ **مؤلفۃ القلوب کا حصہ ختم کرنا:** قرآنِ کریم میں مؤلفۃ القلوب (نو مسلموں) کا حصہ مقرر تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اسے ختم کر دیا، کیونکہ اب اسلام کو ان کی تالیفِ قلب کی ضرورت نہیں رہی تھی اور ان پر مال خرچ کرنا اب ایک ایسی حاجت نہیں رہی تھی جو حرج کے درجے میں ہو۔ یہ اجتہاد ثابت کرتا ہے کہ قلتِ تکلیف کا اصول حالات کے بدلنے سے حکم کی تبدیلی کا تقاضا کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فقہی منہج اور رفع مشقت

صحابہ کرام میں خواتین کی نمائندگی اور فقہی بصیرت کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام نہایت بلند ہے۔ آپ نے کئی مسائل میں دفعِ حرج کے پہلو کو اجاگر کیا۔ مثلاً عورتوں کے حج، سفر اور نماز کی ہیئت کے بارے میں آپ کے فتاویٰ اس بات پر مبنی تھے کہ خواتین کو فطری کمزوریوں کی وجہ سے غیر ضروری مشقت میں نہ ڈالا جائے۔ آپ کا مشہور قول ہے جو قلتِ تکلیف کے مزاج کو ظاہر کرتا ہے:

لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد[15]

"اگر رسول اللہ ﷺ وہ (تبدیلیاں) دیکھ لیتے جو عورتوں نے (اپنے حالات میں) پیدا کر لی ہیں، تو آپ ﷺ انہیں مسجد آنے سے روک دیتے (تاکہ وہ فتنہ اور حرج سے بچ سکیں)۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ اندازِ فکر ظاہر کرتا ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی سے اگر کسی جائز کام میں حرج پیدا ہونے لگے، تو اسے روک دینا یا اس میں تخفیف کرنا عینِ سنت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور تیسیر کا اسلوب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فقہِ حنفی کے اساسی ستونوں میں سے ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں قلتِ تکلیف کا عنصر بہت نمایاں تھا۔ آپ اس بات کو سخت ناپسند فرماتے تھے کہ لوگوں کے لیے دین کو بوجھل بنایا جائے۔ آپ نے ہمیشہ ایسی فقہی تعبیرات کو ترجیح دی جن میں لوگوں کے لیے گنجائش موجود ہو۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بسا اوقات ایسی رخصتوں پر خود عمل کرتے تھے جن پر دیگر صحابہ احتیاطاً عمل نہیں کرتے تھے، تاکہ عوام الناس اسے حرج نہ سمجھ لیں۔ ان کا یہ عمل "المشقة تجلب التيسير" کے قاعدے کی عملی بنیاد بنا۔[16]

اجتماعی مصلحت اور قلتِ تکلیف کا ارتقائی نتیجہ

دورِ صحابہ میں ان اصولوں کے ارتقاء کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے شریعت کو ایک "جامد متن" کے بجائے ایک "مقصد" کے طور پر دیکھا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ:

1. ضرورت اور تنگی کی صورت میں اصلی حکم (عزیمت) کو مؤخر کر کے رخصت پر عمل کرنا تقویٰ کے خلاف نہیں ہے۔
2. تنگی دور کرنے کے لیے انفرادی اجتہاد کے بجائے اجتماعی مصلحت (Public Interest) کو بنیاد بنانا چاہیے۔
3. قلتِ تکلیف کا مقصد یہ ہے کہ امت کا نظامِ معیشت اور معاشرت معطل نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ دور دراصل دفعِ حرج کے ان قواعد کی "تجربہ گاہ" تھا جنہیں بعد میں ائمہ اربعہ نے ضابطہ بند کیا۔

دورِ تابعین میں دفعِ حرج کے تصور کی توسیع

صحابہ کرام کے عہدِ مبارک کے بعد دورِ تابعین اسلامی قانون سازی کی تاریخ کا وہ دور ہے جس میں فقہِ اسلامی کی تدوینِ نو کا آغاز ہوا۔اس عہد میں اسلامی ریاست کی سرحدیں دور دراز کے علاقوں تک پھیل چکی تھیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا واسطہ نت نئے حالات، مختلف تہذیبوں اور پیچیدہ سماجی و معاشی مسائل سے پڑا۔تابعینِ عظام نے دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف کے ان ہی اصولوں کو مشعلِ راہ بنایا جو انہیں صحابہ کرام سے وراثت میں ملے تھے۔ان کے نزدیک فقہ کا مقصد محض قانونی جزئیات کا انبار لگانا نہیں تھا بلکہ انسانی زندگی کی تنگیوں کو دور کرنا اور دین کی فطری آسانی کو برقرار رکھنا تھا۔

دورِ تابعین میں قلتِ تکلیف کا ارتقاء اس لیے بھی اہم ہے کہ اس دور میں "اجتہاد" نے ایک باقاعدہ علمی فن کی صورت اختیار کی، جس کا بنیادی مقصد بدلتے ہوئے حالات میں مسلمانوں کو حرج سے بچانا تھا۔

فقہاء مدینہ (فقہاء سبعہ) کا منہج اور دفعِ حرج

مدینہ منورہ جو کہ وحی کا مرکز اور سنتِ نبوی کا گہوارہ تھا، وہاں تابعین کے دور میں سات بڑے فقہاء (فقہاء سبعہ) ابھرے جن میں سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر اور القاسم بن محمد رحمہم اللہ جیسے اکابر شامل تھے۔ان فقہاء نے مدینہ کے "عرف" اور "تعامل" کو دفعِ حرج کی بنیاد بنایا۔ان کے نزدیک اگر کسی مسئلے میں تنگی پیدا ہوتی تو وہ اہل مدینہ کے اس عمل کی طرف رجوع کرتے جس میں آسانی ہوتی، کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ اہل مدینہ کی روایت میں قلتِ تکلیف کا عنصر غالب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہی فقہاء کے اسلوب کو اپنی تالیف "الموطا" میں جگہ دی، جو دفعِ حرج کے عملی نمونوں سے بھری پڑی ہے۔

المدار في الأحكام على التيسير ورفع الضيق عن المكلفين[17]

"احکام میں مدار مکلفین (بندوں) کے لیے آسانی پیدا کرنے اور تنگی کو دور کرنے پر ہے۔"

فقہاء کوفہ اور تمدنی حرج کا حل

کوفہ اس دور کا سب سے بڑا تمدنی اور علمی مرکز تھا جہاں مختلف اقوام کے ملاپ سے نئے حرج جنم لے رہے تھے۔یہاں کے فقہاء، جن میں ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہما پیش پیش تھے، "اجتہاد" اور "استنباط" کے ذریعے دفعِ حرج کی راہیں تلاش کرتے تھے۔ان کے نزدیک قلتِ تکلیف کا اصول اس بات کا تقاضا کرتا تھا کہ قانون کی ایسی تعبیر کی جائے جو شہری زندگی کی پیچیدگیوں میں بوجھ نہ بنے۔

فقہاء کوفہ نے یہ اصول وضع کیا کہ جہاں "قیاس" انسانی مصلحت کے خلاف جائے یا حرج پیدا کرے، وہاں "استحسان" (بہتر صورتِ حال کا انتخاب) کے ذریعے آسانی پیدا کی جائے۔یہ قلتِ تکلیف کے ارتقاء کا وہ مرحلہ تھا جس نے فقہِ اسلامی کو "فقہ المقاصد" (مقاصد پر مبنی فقہ) کی طرف گامزن کیا۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس منہج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ترك القياس والعمل بما هو أرفق بالناس لاندفاع الحرج[18]

"قیاس کو چھوڑ دینا اور اس چیز پر عمل کرنا، جو لوگوں کے لیے زیادہ نرم ہو تاکہ تنگی دور ہو سکے (استحسان کہلاتا ہے)۔"

قلتِ تکلیف اور کثرتِ سوال کی ممانعت

تابعینِ عظام نے قلتِ تکلیف کے اصول کو برقرار رکھنے کے لیے صحابہ کرام کی اس سنت پر سختی سے عمل کیا کہ لوگوں کو غیر ضروری اور فرضی سوالات سے روکا جائے۔ ان کا فلسفہ یہ تھا کہ احکامِ شرعیہ جتنے مختصر ہوں گے، ان پر عمل کرنا اتنا ہی آسان ہوگا۔ فقہاء مدینہ و کوفہ نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک کوئی مسئلہ حقیقت میں پیش نہ آجائے، اس پر نیا حکم لگانے سے گریز کیا جائے تاکہ امت پر شرعی بوجھ میں اضافہ نہ ہو۔

امام سعید بن المسیب رحمتہ اللہ علیہ کا اسلوب یہ تھا کہ وہ صرف ان ہی مسائل کا جواب دیتے تھے جو وقوع پذیر ہو چکے ہوتے۔ ان کے نزدیک قلتِ تکلیف شریعت کی وہ "حیاتِ جاوداں" ہے جو اسے بوجھل ہونے سے بچاتی ہے۔[19]

مالی معاملات اور ضرورت و حاجت کے ضوابط کا آغاز

تابعین کے دور میں عالمی تجارت کے پھیلاؤ کی وجہ سے مالیاتی معاملات میں دفعِ حرج کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔ اس دور میں خرید و فروخت کی ایسی نئی صورتیں سامنے آئیں جن میں قدیم ضوابط کے تحت تنگی کا خدشہ تھا۔ فقہاء تابعین نے "ضرورت" اور "حاجتِ عامہ" کے تصورات کو ارتقائی شکل دی۔ انہوں نے چھوٹے تجارتی نقصانات (غررِ یسیر) کو معاف قرار دیا تاکہ تجارتی نظام معطل نہ ہو جائے۔

سرخسی کے مطابق، اسی دور میں یہ فکری بنیاد پڑی کہ اگر کسی لین دین سے معاشرے کی اکثریت کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور اس میں کوئی قطعی شرعی ممانعت نہیں ہے، تو اسے دفعِ حرج کے تحت قبول کیا جائے گا۔[20]

ارتقائی پہلو: انفرادی رخصت سے اصولی تخفیف تک

عہدِ رسالت میں جہاں زیادہ تر "انفرادی رخصتیں" دی گئی تھیں، دورِ تابعین میں ان رخصتوں کو "اصولی تخفیف" (Standard Reductions) میں بدلا گیا۔ تابعین نے یہ محسوس کیا کہ جو حرج عہدِ نبوی میں کسی ایک فرد کو پیش آیا تھا، وہ اب ایک پوری آبادی یا طبقے کو پیش آرہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان رخصتوں کو عام فقہی قواعد کی شکل دینا شروع کر دی، جس سے "قلتِ تکلیف" کا اصول انفرادی دائرے سے نکل کر ایک مستقل قانونی صفت بن گیا۔

امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول اس عہد کی ترجمانی کرتا ہے:

ما زال العلماء بمدار رفع الضيق عن الأمة[21]

"علماء ہمیشہ سے امت سے تنگی کو دور کرنے کے محور پر کام کرتے رہے ہیں۔"

اس میں ہم نے دیکھا کہ دورِ تابعین اور فقہاء مدینہ و کوفہ کا دور دفعِ حرج کے ارتقاء کا وہ پل ہے جس نے وحی کے دور کو تدوینِ فقہ کے دور سے جوڑا۔ اس دور میں یہ طے پا گیا کہ:

1. شریعت میں وسعت پیدا کرنا، محض وقتی ضرورت نہیں، بلکہ ایک اصولی تقاضا ہے۔
2. فقہاء کا کام تنگی پیدا کرنا نہیں، بلکہ نصوص کی ایسی تعبیر کرنا ہے، جو مصلحت کے قریب ہو۔
3. قلتِ تکلیف کا مطلب احکام کی معقولیت ہے، تاکہ ہر نیا مسلمان اسے خوشی سے قبول کر سکے۔

ان فقہاء کی کاوشوں نے ثابت کر دیا کہ اسلام تمدنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ، انسانی ضرورتوں کا مکمل ادراک رکھتا ہے۔

فقہی مذاہب کی تدوین اور دفعِ حرج کی باقاعدہ ضابطہ بندی

اسلامی تاریخ میں جب صحابہ اور تابعین کے بعد فقہی مذاہب کی باقاعدہ تشکیل کا دور آیا، تو دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف کے اصولوں کو محض انفرادی اجتہادات تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ انہیں "اصولِ فقہ" کے باقاعدہ فن کے طور پر مدون کر دیا گیا۔ ائمہ مجتہدین نے یہ محسوس کیا کہ جیسے جیسے اسلامی سرحدیں پھیل رہی ہیں، انسانی زندگی کے معاملات پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں شریعت کی لچک کو برقرار رکھنے کے لیے ایسے کلی قواعد وضع کیے گئے جو ہر نئے حرج کا علمی اور اصولی حل فراہم کر سکیں۔ اس دور کا سب سے بڑا ارتقائی پہلو یہ تھا کہ "آسانی" کو شریعت کا ایک مستقل دستوری وصف تسلیم کر لیا گیا۔

اس دور میں قلتِ تکلیف کا تصور "تیسیرِ شرعی" (شرعی سہولت) کے نام سے ایک ایسی قوت بن کر ابھرا، جس نے فقہ کو تمدنی بوجھ بننے سے بچایا۔ ائمہ کرام نے یہ اصول طے کیا کہ جس جگہ نص موجود نہ ہو، وہاں انسانی مصلحت اور تنگی کا ازالہ ہی حکمِ الٰہی کی بنیاد ہو گا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی منہج اور وسعتِ احکام

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں کوفہ اور عراق کے دیگر علاقے بین الاقوامی تجارت اور تمدن کے مراکز تھے۔ یہاں کے پیچیدہ معاشی حرج کو دور کرنے کے لیے امام صاحب نے "استحسان" کے ذریعے قلتِ تکلیف کے اصول کو نئی زندگی عطا کی۔ آپ نے ایسے کئی مسائل میں قیاس کو محض اس لیے ترک کیا کہ اس سے عوام الناس کے لیے تنگی پیدا ہو رہی تھی۔ فقہِ حنفی میں "ضرورت" اور "حاجت" کو جس شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہ اس عہد کے تاریخی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الخراج" میں واضح کیا کہ حاکم اور فقیہ پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے مالی بوجھ کو اتنا ہی رکھیں جتنا وہ خوشی سے اٹھا سکیں، کیونکہ شریعت بندوں کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں آئی۔[22]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور 'مصالحِ مرسلہ' کے ذریعے دفعِ حرج

مدینہ منورہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مصالحِ مرسلہ" (وہ مصلحتیں جن کے بارے میں خاموشی ہو) کو ایک مستقل ماخذ کے طور پر اپنایا۔ ان کے نزدیک اگر کوئی نیا حرج پیدا ہو جائے جس کا حل براہِ راست کسی نص میں نہ ہو، تو "مصلحتِ انسانی" کو سامنے رکھ کر سہولت دی جائے گی۔ یہ قلتِ تکلیف کے ارتقاء کا وہ مرحلہ تھا جہاں شریعت کے مقاصد کو الفاظ پر فوقیت دی جانے لگی۔

امام شاطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسلوب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شریعت کا پورا ڈھانچہ بندوں کی مصلحتوں پر قائم ہے، اور جہاں تنگی ہو گی وہاں اللہ کا قانون اس تنگی کو دور کرنے کے لیے حرکت میں آئے گا۔

إن الشريعة بنيت على اعتبار المصالح، والحرج مناف للمصلحة[23]

"بے شک شریعت کی بنیاد مصلحتوں کے اعتبار پر رکھی گئی ہے، اور حرج (تنگی) مصلحت کے منافی ہے۔"

دفعِ حرج کی ضرورت اور انسانی فطرت کا تقاضا

تاریخی ارتقاء کے اس مرحلے پر فقہاء نے یہ عقلی اور شرعی اصول طے کیا کہ انسانی فطرت فطرتی طور پر کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ اگر دین میں سختی ہوتی تو لوگ نفسیاتی طور پر ٹوٹ جاتے اور بندگی کا جذبہ ختم ہو جاتا۔ قلتِ تکلیف کا اصول دراصل بندے کو اللہ کی محبت میں ثابت قدم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "المستصفیٰ" میں بیان کیا کہ شریعت کا مقصد انسانوں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ ان کے وجود کی حفاظت کرنا ہے۔ان کے نزدیک ہر وہ حکم جو انسانی بقاء کے لیے حرج پیدا کرے، وہ شریعت کی روح کے خلاف ہے۔[24]

تاریخی ارتقاء کا فکری نچوڑ

عہدِ رسالت سے لے کر ائمہ مجتہدین کے دور تک، دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف کا اصول درج ذیل مراحل سے گزرا:

1. **عہدِ نبوی ﷺ:** تدریجِ احکام اور انفرادی رخصتوں کے ذریعے بنیاد رکھی گئی۔
2. **عہدِ صحابہ:** اجتماعی مصلحت اور حکیمانہ تعبیرات کے ذریعے وسعت دی گئی۔
3. **عہدِ تابعین:** نئے تمدنی اور معاشی مسائل میں اجتہاد کا ذریعہ بنایا گیا۔
4. **تدوینِ فقہ کا دور:** قواعدِ فقہیہ اور اصولوں کی صورت میں اسے ایک مستقل نظام بنا دیا گیا۔

مقالہ نگار کے نزدیک، اس تاریخی سفر نے ثابت کر دیا کہ اسلام ایک متحرک دین ہے جو بدلتے ہوئے حالات میں انسانوں کو تنہا نہیں چھوڑتا بلکہ ہر دور کی تنگی کا حل پیش کرتا ہے۔

خلاصہ

اس مقالے میں کی گئی تفصیلی تحقیق کا علمی خلاصہ درج ذیل نکات میں پیش کیا جا رہا ہے:

1. **ارتقاء کی بنیاد:** دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف کے اصولوں کا آغاز وحیِ الٰہی کی تدریجی حکمتِ عملی سے ہوا۔ مکہ کے ابتدائی دور میں عقائد پر توجہ اور مدینہ میں احکام کے مرحلہ وار نفاذ نے امت کو بوجھ تلے دبنے سے بچایا۔
2. **سنتِ نبوی ﷺ کا مزاج:** رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ثابت ہوا کہ دینِ اسلام میں "تیسیر" (آسانی) ہی اصل ہے۔ آپ ﷺ نے عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں ہمیشہ اس راستے کو ترجیح دی جو امت کے لیے سہل ہو، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔
3. **صحابہ کرام کا اجتہادی اسلوب:** خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ نے نصوص کی لغوی تشریح کے بجائے ان کی "مقاصدی تشریح" کی۔ سیدنا ابو بکر صدیق کا جمعِ قرآن اور سیدنا عمر فاروق کا قحط کے سال حد کی معطلی جیسے فیصلے دفعِ حرج کے اصول کے عملی ثبوت ہیں۔
4. **تابعین اور تمدنی وسعت:** دورِ تابعین میں جب مسلمانوں کا واسطہ عجم اور دیگر تہذیبوں سے پڑا، تو فقہاء مدینہ اور کوفہ نے "عرف" اور "استحسان" کو بنیاد بنا کر نئے حرج دور کیے۔ انہوں نے قلتِ تکلیف کے اصول کو قانونی جواز فراہم کیا۔
5. **ضابطہ بندیِ فقہ:** ائمہ اربعہ کے ادوار تک پہنچتے پہنچتے یہ اصول ایک باقاعدہ علمی فن بن چکے تھے۔ استحسان، مصالحِ مرسلہ اور رخصتوں کے تصورات نے ثابت کیا کہ تنگی جہاں بھی پیدا ہو گی، شریعت وہاں وسعت پیدا کر دے گی۔
6. **فکری نتیجہ:** اس پورے تاریخی سفر کا حاصل یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا مقصد انسانوں کو آزمائش میں ڈالنا نہیں بلکہ ان کے لیے ایسی سہولت فراہم کرنا ہے جو انہیں اللہ کی بندگی میں استقامت اور معاشرتی فلاح عطا کرے۔

الغرض، دفعِ حرج اور قلتِ تکلیف اسلامی فقہ کی وہ متحرک روح ہے جو اسے ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے قابلِ قبول بناتی ہے۔

حوالہ جات:

[1] الاعراف 157:7

Al-Araf 7:157.

[2] ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی شاطبیؒ، الموافقات، (قاہرہ: دار ابن عفان، 1997ء)، 211/2۔

Ibrāhīm ibn Mūsā ibn Muḥammad al-Lakhmī al-Shāṭibī, *Al-Muwāfaqāt* (Cairo: Dār Ibn ʿAffān, 1997), 2/211.

[3] محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع المسند الصحیح (صحیح البخاري)، (دمشق: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، رقم الحدیث: 4993۔

Muḥammad ibn Ismāʿīl al-Bukhārī, *Al-Jāmiʿ al-Musnad al-Ṣaḥīḥ* (*Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*) (Damascus: Dār Ṭawq al-Najāt, 1422 AH), Book of the Virtues of the Qurʾān, Chapter: Compilation of the Qurʾān, Hadith No. 4993.

[4] مسلم بن الحجاج قشیری، الصحیح المسلم، (بیروت: دار احیاء التراث العربي، ل-ت)، کتاب الفضائل، باب مباعدتہ ﷺ للآثام واختیارہ من المباح أیسرہ، رقم الحدیث: 2327۔

Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī, *Al-Ṣaḥīḥ* (*Ṣaḥīḥ Muslim*) (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, n.d.), Book of Virtues, Chapter: His (ﷺ) avoidance of sins and his choosing the easier of permissible matters, Hadith No. 2327.

[5] بخاری، صحیح البخاري، کتاب التیمم، رقم الحدیث: 335۔

Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Book of Tayammum, Hadith No. 335.

[6] شاطبیؒ، الموافقات، 125/2۔

Shāṭibī, *Al-Muwāfaqāt*, 2/125.

[7] ایضاً، 121/2۔

Ibid, 2/121.

[8] مسلم، الصحیح المسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب اتباعہ ﷺ، رقم الحدیث: 1337۔

Muslim, *Ṣaḥīḥ Muslim*, Book of Virtues, Chapter: The Obligation of Following Him (ﷺ), Hadith No. 1337.

[9] بخاری، صحیح البخاري، کتاب الجمعہ، باب السواک یوم الجمعہ، رقم الحدیث: 887۔

Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Book of Friday Prayer, Chapter: Using the Miswāk on Friday, Hadith No. 887.

[10] محمد بن یزید ابن ماجہ، السنن، (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیۃ، ل-ت)، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ، رقم الحدیث: 2045۔

Muḥammad ibn Yazīd Ibn Mājah, *Al-Sunan* (Cairo: Dār Iḥyāʾ al-Kutub al-ʿArabiyyah, n.d.), Book of Divorce, Chapter: Divorce of One Who Is Compelled, Hadith No. 2045.

[11] بخاری، صحیح البخاري، کتاب الجہاد، باب الحریر فی الحرب، رقم الحدیث: 2919۔

Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Book of Jihād, Chapter: Silk in War, Hadith No. 2919.

[12] شاطبیؒ، الموافقات، 135/2۔

Shāṭibī, *Al-Muwāfaqāt*, 2/135.

[13] بخاری، صحیح البخاري، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم الحدیث:4986۔

Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Book of the Virtues of the Qurʾān, Chapter: Compilation of the Qurʾān, Hadith No. 4986.

[14] ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، المصنف، (ریاض: مکتبہ الرشد، 1409ھ)، 512/5۔

Ibn Abī Shaybah, Abū Bakr ʿAbd Allāh ibn Muḥammad ibn Abī Shaybah, *Al-Muṣannaf* (Riyadh: Maktabat al-Rushd, 1409 AH), 5/512.

[15] بخاری، صحیح البخاري، کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد، رقم الحدیث:869۔

Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Book of Adhān, Chapter: Women Going Out to the Mosques, Hadith No. 869.

[16] خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا، ضرورت وحاجت اور اضطرار پر ایک سرسری نظر، (انڈیا: اسلامک فقہ اکیڈمی)، 38۔

Khalid Saifullah Rahmani, Maulānā, *A Brief Look at Necessity, Need, and Compulsion* (India: Islamic Fiqh Academy), 38.

[17] امام مالک بن انس اصبحی، الموطأ، (بیروت: دار احیاء التراث العربي، 1985ء)، 156/1۔

Imām Mālik ibn Anas al-Asbahī, *Al-Muwattaʾ* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1985), 1/156.

[18] محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی، المبسوط، (بیروت: دار المعرفہ، 1414ھ)، 145/10۔

Muḥammad ibn Aḥmad ibn Abī Suhail al-Sarkẖsī, *Al-Mabsūṭ* (Beirut: Dār al-Maʿrifah, 1414 AH), 10/145.

[19] محمد بن سعد بن منیع ہاشمی، الطبقات الکبری، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1990ء)، 132/5۔

Muḥammad ibn Saʿd ibn Munīʿ al-Ḥāshimī, *Al-Ṭabaqāt al-Kubrā* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1990), 5/132.

[20] سرخسی، المبسوط، 108/12۔

Sarkẖsī, *Al-Mabsūṭ*, 12/108.

[21] یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، (سعودی عرب: دار ابن الجوزی، 1994ء)، 784/2۔

Yūsuf ibn ʿAbd Allāh ibn Muḥammad ibn ʿAbd al-Barr, *Jāmiʿ Bayān al-ʿIlm wa Faḍlih* (Saudi Arabia: Dār Ibn al-Jawzī, 1994), 2/784.

[22] یعقوب بن ابراہیم انصاری ابو یوسف، کتاب الخراج، (قاہرہ: المطبعۃ السلفیہ، 1352ھ)، 124۔

Yaʿqūb ibn Ibrāhīm al-Anṣārī Abū Yūsuf, *Kitāb al-Kharāj* (Cairo: Al-Maṭbaʿah al-Salafiyyah, 1352 AH), 124.

[23] شاطبی، الموافقات، 112/2۔

Shāṭibī, *Al-Muwāfaqāt*, 2/112.

[24] ابو حامد محمد بن محمد غزالی، المستصفی من علم الاُصول، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1413ھ)، 184۔

Abū Ḥāmid Muḥammad ibn Muḥammad al-Ghazālī, *Al-Mustasfā min ʿIlm al-Uṣūl* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1413 AH), 184.